ظالمانہ معاشی نظام اور سودی معیشت-۲

پروفیسر محمد خالد اعظمی

معاشی عدل و انصاف کے مکمل نفاذ ، آمدنی اور وسائل کی عادلانہ تقسیم کے ساتھ سماجی مساوات پر مبنی نظام کو بروئے کار لانے کے لیے دُنیا کو اسلام کے معاشی نظام کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات اور نظام معاشرت میں انسانوں کی انفرادی ضرورت اور معاشرے کے اجتماعی معاملات کے منصفانہ حل کا جو فطری لائحہ عمل پیش کیا گیا ہے بالکل وہی اسلام کا معاشی نظام بھی ہے۔ یہ انسانی زندگی کے فطری اصولوں اور تقاضوں کی تکمیل کرتے ہوئے معاشرتی فلاح و بہبود کی شرائط کے ساتھ تلاشِ معاش کی آزادی اور فکر و عمل کا مخصوص و متعین میدانِ کار بھی عطا کرتا ہے، جس میں دوسروں کے حقوق کی پاس داری اور اس کے تئیں حساسیت کا واضح طریقۂ کار موجود ہے۔

افسوس کہ اس فطری اور عادلانہ نظام کا قابلِ عمل، قابلِ فہم خاکہ اور عملی نفاذ کا کوئی جامع نمونہ دنیا کے سامنے نہیں ہے اور نہ اسے نافذ کرنے اور ایک مثالی ماڈل کے طور پر پیش کرنے کے لیے مسلم ممالک اور اس کے حکمراں تیار ہیں۔ اسلام میں حقوق انسانی کی اہمیت اور اس کی بجا آوری پر بہت زور دیا گیا ہے۔ آزادیٔ فکر و عمل کے ساتھ نسب و نسل کی حفاظت اور انسانی جان پر بیجا ظلم کو روکنے کے لیے جہاں صراحت کے ساتھ تاکیدی احکامات ہیں، وہیں نہ ماننے کی صورت میں نہایت سخت سزا کا تعین بھی ہے۔ اسی طرح وراثت، وصیت اور زمین و جائیداد کی تقسیم کے تعلق سے بھی قرآن میں صریحاً احکامات موجود ہیں تاکہ آمدنی، جائیداد، اثاثہ جات اور دولت کسی ایک جگہ پر منجمد نہ ہو، نیز وسائل و ذرائع پیداوار بھی بغیر کسی رکاوٹ اور بنا کسی بیرونی دخل اندازی کے صحیح اور جائز حق دار تک پہنچ جائیں۔ اسی ضمن میں یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ معاشرتی عدل کے لیے یہ بنیادی شرط ہے کہ معاشرے میں کسی کو بھی یہ حق حاصل نہ ہو کہ وہ دوسرے انسان کے حق پر

اپنی خواہش کے مطابق ناجائز قبضہ کر لے، یا کسی کا حق غصب کر کے اس میں اپنی پسند کے مطابق کمی بیشی کر سکے۔ معاشرے میں انفرادی و اجتماعی حقوق کی حفاظت اسلام کی بنیادی تعلیمات کا حصّہ ہے اور حقوق کی عدم ادائیگی کو ایک بڑا ظلم تصور کیا جاتا ہے۔ کسی کے جائز اور قانونی حق کو اپنے قبضے میں لے لینا یا اس میں کمی کرنا، اصل حق دار کو اس سے محروم کر کے کسی اور کو دے دینا، حصّہ داری اور حقوق کی ادائیگی کے نام پر صرف تھوڑا حصّہ مزدوری یا کسی شراکت داری کے نام پر دینا بھی ظلم کی ہی مختلف شکلیں ہیں۔

موجودہ دور میں بہت سارے انسانوں کے ایک ساتھ رہنے سے ایک دوسرے پر جو ذمہ داریاں اور حقوق وفرائض واجب الادا ہوتے ہیں، ان کی صحیح طور پر ادائیگی بھی ایک اہم اور گنجلک مسئلہ کے طور پر پوری دنیا میں موجود ہے جس میں عوام کی اکثریت کو یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ کب اور کہاں دوسرے انسان کے حق پر ڈاکا زنی کر بیٹھے ہیں؟ معاشی ترقی کے ساتھ باہم انحصاری اور امداد باہمی کے اس دور میں جب مختلف عاملین ایک ساتھ مل کر پیداوار کرتے ہیں، تو اس بات کا مسئلہ بنا رہتا ہے کہ پیداواری عمل کے دوران ہر عامل کی خدمت اور اس کے حصّے کا تعین کس طرح کیا جائے کہ کسی بھی عامل کے متناسب حقِ خدمت کا پورا پورا معاوضہ اسے مل جائے اور کسی کی حق تلفی بھی نہ ہو؟ اس کے لیے معاشیات میں آمدنی اور پیداوار کی تقسیم کا نظریہ ہے جو عاملین پیداوار کی طلب اور رسد کی بنیاد پر ان کی پیداواری قدر و قیمت اور خدمت کے معاوضے کا تعین کرتا ہے، لیکن بہت سارے نظریاتی مفروضات اور عمل کی راہ میں حائل مشکلات کی وجہ سے یہ نظریہ نقائص سے پُر ہے۔

پیداوار میں حقِ خدمت کا تعین

یہاں ہم پیداوار کے دیگر عوامل کو چھوڑ کر صرف سرمایہ کی قیمت اور پیداواری عمل میں اس کے حقِ خدمت کے تعین کا تفصیلی جائزہ لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ صنعتی انقلاب کے بعد دنیا نے جیسے جیسے ترقی کی راہ میں قدم آگے بڑھایا، سرمایہ کا حصول، سرمایہ کاری، بنکوں کے ذریعے سرمائے اور قرض کی فراہمی، انشورنس و بازارِ حصص کا فروغ اور اس میں حصّہ داری کی تجارت، شرح سود کی بنیاد پر تجارت میں نفع یا نقصان کا تعین وغیرہ ایسے عوامل ہیں جنھیں آج کے اس دور میں ترقی کا انجن قرار دیا جاتا ہے۔ صنعتی ترقی کی اس دوڑ میں ہر پیداوار کے لیے سرمایہ بنیادی ضرورت بنتا گیا اور

سرمایے کے لیے بنک اور مالیاتی ادارے کھلتے چلے گئے جہاں چند معمولی شرائط پر قرض کا آسان حصول اور ان پر شرط کے مطابق سود کی ادائیگی ہر کاروبار اور معاشی سرگرمی کا لازمی حصّہ بن گئی، جو اس وقت دنیا میں ظلم، ناانصافی اور انسانی حقوق کی عدم ادائیگی کا سب سے بڑا ماخذ ہے۔ جدید سودی نظام تجارت و پیداوار میں ہر تجارت، لین دین اور سرمایہ کاری کے لیے کثیر مقدار میں سرمایے کی ضرورت ہوتی ہے، جس پر سود کی لازمی ادائیگی کی وجہ سے آمدنی اور دولت کا ایک ایسا غیر منطقی بہاؤ وجود میں آتا ہے جو وسائل پیداوار کی غیر منصفانہ ملکیت اور دولت کے غیر اخلاقی ارتکاز کا سبب اور ماخذ ہوتا ہے۔

آج دنیا میں پیداوار، تجارت اور تقسیمِ دولت کا موجودہ نظام کثیر سرمایہ کاری پر مبنی ہے، جس کی وجہ سے کل پیداواری لاگت میں سرمائے کا حصّہ بہت زیادہ ہوتا ہے اور اس کی لاگت یعنی سود کا حصّہ بھی کل پیداواری لاگت میں بڑے حصّے کے طور پر موجود ہوتا ہے، جب کہ دیگر عاملین یعنی قدرتی وسائل و انسانی محنت، جو کسی بھی پیداواری نظام کے اصل اور متحرک عناصر ہیں، کا تناسب کم ہوتا جاتا ہے۔ دوسری طرف مختلف شکلوں میں سود کی ادائیگی، کاپی رائٹ، حق ملکیت، بیمہ، منافع، عدم استحکام، غیر یقینی مستقبل اور نہ جانے کتنے ناموں سے پیداوار کے بہت بڑے حصّے پر سرمایہ دار کے قابض ہونے کی راہ ہموار کر دیتا ہے۔ یعنی سود پر مبنی پیداوار و تقسیمِ آمدنی کا نظام ایک ایسا طریقۂ کار ہے، جو پیداوار کے اصلی عناصر اور عوامل (انسان اور قدرتی وسائل) کا متناسب حقِ خدمت غصب کر کے زیادہ حصّہ اس مخصوص عنصر (سرمایہ دار یا بنک اور بیمہ کمپنیاں) کو دینے کا ایک مربوط طریقۂ کار متعین کرتا ہے، جس کی پیداوار، دولت کی افزائش اور آمدنی کے اخراج میں کوئی عملی شراکت اور نفع و نقصان کے لیے کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ جب کہ پیداوار کے اصل عناصر یعنی کاریگر، مزدور، مالکان زمین و دیگر متحرک اور بلاواسطہ حصّہ داروں کو اپنی ہی محنت کا بہت کم معاوضہ مل پاتا ہے، جو معاشی ناہمواری اور بڑھتی ہوئی غیر یکسانیت کی بنیادی وجہ ہے۔

سودی سرمائے پر مبنی تجارت کے عمل میں پیداوار و تقسیمِ آمدن کو اس طرح منظم کیا گیا ہے کہ پیداوار کا بڑا حصّہ ان عناصر کے قبضے میں چلا جاتا ہے، جو نہ تو پیداواری عمل میں براہِ راست شامل ہوتے ہیں اور نہ پیداواری عمل کے دوران نقصانات یا شرح پیداوار میں سالانہ اُتار چڑھاؤ کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے اپنے منافع میں کسی طرح کی کمی بیشی کے لیے تیار ہوتے ہیں۔

سرمایہ دار صرف سرمایہ مہیا کر کے پیداوار اور تجارت کے نظام سے الگ ہو جاتے ہیں اور وقت مکمل ہو جانے پر پہلے سے طے شدہ معاہدے کے مطابق پیداوار کے ایک بڑے حصّے پر قابض ہو جاتے ہیں، خواہ پیداوار کی افزایش اسی شرح سے ہوئی ہے جس پر انھوں نے تاجر یا تنظیم کو سرمایہ مہیا کیا ہے یا اس سے کم یا زیادہ شرح سے، سرمایہ دار کو اس سے کچھ بھی لینا دینا نہیں ہوتا۔ اس طرح آمدنی اور دولت کی ناجائز تقسیم اور پیداوار میں غیر اخلاقی حصّہ داری کا وہ عمل شروع ہوتا ہے جس میں مزدور، کاریگر اور دیگر قدرتی وسائل کی محنت سے پیدا ہونے والی آمدنی کا بڑا حصّہ غیر منطقی طور پر ایک ایسے عامل کو منتقل ہوتا ہے جو پیداوار میں عملی شراکت سے گریزاں ہے۔ یوں کثیر منافع کا حصول، وسیع تر دولت کی ہوس اور اس کے ذریعے سرمایہ کا ارتکاز ہی اصل معاشی مقصد قرار پاتا ہے جس سے پیداوار کی طاقت اور اس کا سرچشمہ صرف سرمایہ دار کے پاس قید ہو کر رہ جائے۔

ہر پیداواری اور غیر پیداواری مصرف کے لیے سودی قرض کی سہولت اور اس کے نتیجے میں آمدنی اور اخراجات کا بڑا حصّہ سود اور قرض چکانے کی ماہانہ قسط کی مد میں سود خور سرمایہ دار کے پاس پہنچ جانا معاشی ناہمواری کے بڑھنے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ ہر بچت کی سرمایہ کاری، بازار حصص میں حصّہ داری، زر کی تجارت، زر سے زر کمانے کے لیے وافر مواقع کی فراہمی، زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کا لالچ ، اشیائے تعیش کی فراوانی اور آمدنی کا زیادہ سے زیادہ حصّہ سامان تعیش اور غیر ضروری اخراجات پر خرچ کر دینے کا موجودہ انسانی مزاج ذاتی ضروریات کو اسراف کی حد تک بڑھا دیتا ہے، جو مالیات، قرض کے بازار کی وسعت اور ہر شخص کے سودی قرض پر بڑھتے ہوئے انحصار کی بڑی وجہ ہے۔ ان کے نتیجے میں دولت مندوں کے پاس دولت و سرمائے کا ارتکاز ہوتا چلا جاتا ہے۔

سود کی حُرمت کی حکمت

اسلامی نظامِ معیشت، معاشرت و تجارت میں کسی بھی طرح کے سودی لین دین اور اس کی بنیاد پر ہونے والی تجارت کی سخت ترین الفاظ میں نفی کی گئی ہے اور اسے حرام قرار دیتے ہوئے سود کے حصول و ادائیگی کو اللہ اور رسولؐ سے جنگ کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”جو لوگ سود کھاتے ہیں، اُن کا حال اُس شخص کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو۔ اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ: ”تجارت بھی تو

آخر سود ہی جیسی چیز ہے‘‘، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام‘‘۔(البقرہ ۲:۲۷۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سود کی حرمت کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ سود کی حرمت کی بنیادی وجہ اس کا استحصالی مزاج اور غیر منصفانہ ڈھنگ سے دوسروں کی محنت اور دولت ہتھیانے کا عملی طریقۂ کار ہے اور یہی انسانوں کے جائز حقوق کی عدم ادائیگی اور ناانصافی کا سب سے بڑا ماخذ ہے۔ اسلام کی آمد سے قبل زمانۂ جاہلیت میں دنیا کی دیگر تہذیبوں کی طرح عربوں کے یہاں بھی سودی لین دین کا عام رواج تھا، جسے خود قرآن نے ظلم اور شیطانی عمل سے تشبیہ دی ہے۔ جدید بنکوں کے ذریعے وہی سود آج بھی معاشرے میں ظلم، ناانصافی اور عدم مساوات کی بنیاد ہے۔ اس لیے سود، خواہ وہ کسی بھی ذریعہ سے وجود میں آرہا ہو، اس کے ماخذ کی بنیاد پر جواز اور عدم جواز کی تاویل قطعی غیر مناسب ہے۔ سود کی اتنی شدید حرمت کی حکمت نہایت واضح ہے۔ خاص طور پر جب ہم آج کے معاشی نظام کا تجزیہ کرتے ہیں جس میں سود ادا نہ کر پانے کی صورت میں ایک انسان اپنے مال و دولت اور اثاثہ جات کے ساتھ کبھی کبھی اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، جس کی بے شمار مثالیں خود دُنیا میں موجود ہیں۔ یہ سود کے استحصال اور مبنی بر ظلم ہونے کی واضح مثال ہے۔ اسی لیے اللہ نے اس کے بعد دوسری آیت میں سود کے سلسلے میں اور سخت وعید پیش کی ہے:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمھارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمھارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو۔ نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے۔(البقرہ ۲:۲۷۸-۲۷۹)

اس آیت میں سود لینے (اور سود دینے) والے پر اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ سود کے خلاف اتنی سخت وعید کی بنیادی وجہ صرف یہ ہے کہ اسلام انسانی معاشرے سے ظلم و زیادتی اور استحصال کا مکمل خاتمہ چاہتا ہے، جب کہ مالیات کا سودی نظام انسان کے معاشی استحصال کی بنیاد ہے اور اس کے ذریعے ہونے والی تجارت ناانصافی اور حقوق کی عدم ادائیگی کو وسعت دینے میں معاون ہوتی ہے۔ اسلام اگر سود اور سودی نظام کی نفی کرتا ہے یا

اسے بالکل جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کی بات کرتا ہے، تو اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اسلام معاشرتی ظلم اور استحصال پر مبنی اس نظام کو ختم کرنا چاہتا ہے جو آمدنی کی غیر منصفانہ تقسیم اور وسائل روزگار پر چند زردار افراد کی اجارہ داری کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور دوسروں کے حقوق غصب کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ بنکوں کے ذریعے سرمایہ کاری کے نام پر قرض اور اس سے پیدا ہونے والا سود (جسے آج کل منافع کا نام دے کر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے) جدید معاشیات کا ایک ایسا نظام اور طریقۂ تجارت ہے جس میں ایک طرف راست محنت کرنے والا اپنی کارکردگی کے مطابق اجرت اور متناسب حقِ خدمت سے محروم کر دیا جاتا ہے، اور دوسری طرف تجارت کے لیے مال مہیا کرنے والا سرمایہ دار ایک ایسی اجرت کا حق دار بن جاتا ہے جس کے لیے اس نے پیداوار کے مراحل میں کسی بھی طرح کی حصّہ داری نبھانے اور نفع و نقصان کی بنیاد پر شراکت داری سے بالکل انکار کیا۔

اسلامی نظام معیشت کا ایک سادہ سا اصول ہے کہ منافع میں حصّہ دار وہی بن سکتا ہے جو اس کے خطرات اور نقصان کی ذمہ داری بھی قبول کرنے کو تیار ہو (ابوداؤد، نسائی، ترمذی)، جب کہ سودی نظام کے تحت سرمایہ دار اپنا سرمایہ لگا کر پہلے سے طے شدہ شرح سے صرف منافع (سود) ہی لیتا ہے اور اس مال سے ہونے والی پیداوار یا تجارت میں کسی طرح کے نقصان کی ذمہ داری قبول کرنے سے سراسر انکار کرتا ہے۔ ہر معاشی نظام کے اندر کسی مخصوص شئے کی پیداواری لاگت اور اس کی بازاری قیمت (شرح تبادلہ) کا تعین مختلف عاملین پیداوار کو کی جانے والی ادائیگیوں پر منحصر ہوتا ہے، جن میں سرمایہ دار ایک ایسا عامل یا عنصر ہے، جو خدمت کے بغیر ہی پیداوار کے ایک حصّے کا حق دار بن جاتا ہے بغیر اس بات کی پروا کیے کہ اس کے دیے ہوئے سرمائے سے پیداوار یا تجارت میں کوئی اضافہ بھی ہوا ہے یا نہیں۔ پیداوار اور تجارت میں راست خدمت اور نقصان میں کسی حصّہ داری کے بغیر پیداوار کا ایک عنصر یعنی سرمایہ دار یکمشت اپنا طے شدہ حصّہ لے لیتا ہے۔ اس طرح سودی نظام معیشت میں لاگت یا قیمت کے تعین میں وہ جز شامل کیا جاتا ہے، جو کسی طرح بھی پیداوار کا حصّہ نہیں ہوتا اور نہ کسی طرح سے وہ شئے کی افادیت میں اضافہ کا مؤجب بنتا ہے۔

معیشت میں پیداوار کی ہر سطح پر جہاں بھی سرمایہ دار نے اپنا مال لگایا ہے، یہی غیر حقیقی اور غیر متناسب جبری منافع، سود کی شکل میں شامل ہو کر قیمت میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔ یوں ایک

ایسی شئے صارف کے پاس پہنچتی ہے، جس کی افادیت اور اصل قدر اس کی قیمتِ خرید سے بہت کم ہوتی ہے، یا ایک صارف جتنی رقم ادا کر کے ایک مخصوص چیز اپنے فائدے کے لیے خریدتا ہے، اس میں شئے کی لاگت اور قیمتِ خرید اس کی افادیت سے زیادہ ہوتی ہے۔اس طرح کلی، ملکی یا بین الاقوامی پیمانے پر ملکی دولت اور معیشت میں پیداوار اور افادیت کے نام پر ایک بڑا اور قابل لحاظ حصّہ ایسا شامل ہو جاتا ہے، جس کا حقیقت میں وجود ہی نہیں ہوتا، لیکن قیمت اور تبادلے کی ہر سطح پر وہ حصّہ موجود ہوتا ہے۔ یہی اس ظلم ، عدم مساوات اور معاشی ناانصافی کی ابتدا ہے، جس میں دنیا کا ہر صارف جو مارکیٹ کی قیمت ادا کرتا ہے، اس سے کم افادیت حاصل کرتا ہے۔

پیداواری لاگت میں اضافے کا بنیادی سبب ___ سود

کسی شئے کو کارخانے، زراعت یا کسی بھی دوسرے طریقے سے تیار کرتے وقت اس کی لاگت کا انحصار تیاری میں لگے مختلف پیداواری عناصر کو کی جانے والی ادائیگیوں پر ہوتا ہے۔ پیداوار کے مختلف مراحل کے دوران مختلف عناصر اور وسائل بلا واسطہ اپنی اپنی خدمات اور تعاون پیش کرتے ہیں اور اسی تعاون یا شرکت کے بقدر اپنی مزدوری یا حقِ خدمت لیتے ہیں، جس کا حاصل جمع ہی شئے مذکور کی پیداواری لاگت کہلاتا ہے۔ اسی پیداواری مرحلے میں سرمایہ دار اپنا سرمایہ بھی پیداوار کے لیے دیتا ہے لیکن پیداواری مراحل میں بلا واسطہ اپنی کوئی ذمہ داری ادا نہ کر کے اپنے دیے ہوئے سرمائے کا ایک خاص تناسب یکمشت حاصل کرتا ہے، خواہ پیداوار میں اس تناسب سے اضافہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ دراصل سرمایہ استعمال کرنے کے بدلے یہی ادائیگی سود ہوتی ہے، جس میں سرمایہ دار اپنی کسی شراکت داری کے بغیر پیداوار میں نفع یا نقصان سے بے پرواہ ایک خاص رقم حاصل کرتا ہے۔سود وہ جز ہوتا ہے جس کی ادائیگی تو ہوتی ہے لیکن اس کے بقدر قدر اور افادیت وصول نہیں ہوتی۔اس طرح یہی چیز پوری دنیا میں ایک غیر حقیقی معیشت کو جنم اور فروغ دیتی ہے۔

اسلامی نظام تجارت و معیشت جب سود کو ظلم قرار دیتا ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ سرمایہ دار سود کی رقم وصول کرتا ہے تو صارف یا قرض خواہ کو سود کے بقدر کسی طرح کی کوئی افادیت یا قدر حاصل نہیں ہوتی۔ دورِ حاضر کی معیشت کا وجود سود کے بغیر تصور نہیں کیا جا سکتا اور سود کی ادائیگی کی وجہ سے ہر سطح پر ایک غیر حقیقی اور غیر واقعی معاشی خلا پیدا ہوتا ہے، جس کی ادائیگی تو ہوتی ہے،

لیکن ادائیگی کرنے والے کو اس کے بدلے میں متناسب افادیت حاصل نہیں ہوتی۔ معاشی عدل اور انصاف کا تقاضا ہے کہ کوئی انسان کسی بھی شئے یا خدمت کے لیے جتنا معاوضہ ادا کرتا ہے، اسی کے بقدر اسے افادیت بھی حاصل ہونی چاہیے، مگر سودی معیشت میں یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ صارف جس قیمت کی ادائیگی کرتا ہے، اس میں سود کی ادائیگی شامل ہوتی ہے، جو پیداوار کی مختلف سطحوں پر لاگت کا حصّہ بن کر قیمت میں شامل ہوتی رہتی ہے۔

مثال کے طور پر ایک کسان جب بنک سے ایک ہزار روپیہ قرض لے کر اپنے کھیت میں سرمایہ کاری کرتا ہے تو اسے زرعی شعبے میں پیداوار اور افزائش کی موجودہ شرح سے سال کے آخر میں زیادہ سے زیادہ ایک ہزار تیس روپیہ حاصل ہوسکتا ہے، جب کہ اسے سال پورا ہو جانے پر موجودہ ۱۰ فی صد سالانہ شرح سود پر بنک کو گیارہ سو روپے ہر حالت میں واپس کرنے ہوں گے۔ اس صورت حال میں کسان کے پاس دو متبادل ہوتے ہیں، یا تو وہ ایک ہزار تیس روپے کی اپنی فصل کو بازار میں کم از کم گیارہ سو روپے میں فروخت کرے اور بنک کا قرض واپس کرے یا اگر وہ اپنی پیداوار کو گیارہ سو سے زیادہ قیمت پر فروخت کرنے کا اہل نہیں ہے تو باقی ستّر روپے وہ اپنا کھیت یا کوئی دوسرا اثاثہ بیچ کر بنک کو ادا کرے۔ پہلی صورت میں کسان اگر کسی صورت میں کامیاب بھی ہو جائے تو صارف کو ایک ہزار تیس روپے کی چیز کے لیے گیارہ سو روپے ادا کرنے ہوتے ہیں یعنی ایک عام آدمی (صارف) ستّر روپے کی ایک ایسی فاضل ادائیگی کرتا ہے جس کے برابر اس نے کوئی افادیت حاصل نہیں کی ہے۔

بنک کے ذریعے سرمایہ کاری اور سود پر مبنی معیشت میں ایسا ہونا بہت عام ہے کہ صنعت کار یا کوئی بھی دوسرا عامل جو کسی پیداواری حرکت میں لگا ہوا ہے، اسے ہر حال میں اپنا پروڈکٹ اس قیمت پر بازار میں بیچنا ہے کہ وہ بنک کا سود اور اسی قبیل کی دوسری ادائیگیوں کو بہ آسانی ادا کر سکے، خواہ پیداوار کے دوران بازار کی اس قیمت کے برابر اس میں افادیت بھی پیدا ہوئی ہے یا نہیں؟ اس طرح ایک عام صارف اپنی کل ادائیگی کا ایک حصّہ ایسا ادا کرنے پر مجبور ہوتا ہے جس کے برابر وہ کوئی افادیت حاصل نہیں کرتا۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ سودی معیشت میں افادیت کے حصول اور اس کے لیے کی جانے والی ادائیگیوں میں بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے اور ایک عام صارف

کا یہی سب سے بڑا استحصال ہے کہ وہ سود کی ادائیگی کے نام پر پیسے تو ادا کرتا ہے لیکن اس کے بقدر افادیت حاصل کرنے میں ناکام ہے۔

آج پوری دنیا معاشیات اور معاشی سرگرمیوں کے ایک ایسے گورکھ دھندے میں اُلجھ گئی ہے، جس میں ہر شخص صرف مادی فائدے کے حصول اور زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کرنے کی منصوبہ بندی میں دن رات ایک کیے ہوئے ہے، لیکن زندگی کی ڈوران معاشی مسائل میں اس قدر اُلجھ گئی ہے کہ اب اس کا سرا ہاتھ نہیں آرہا ہے۔ چند مخصوص انسانوں کی ساری دنیا کی دولت بٹور لینے کی ہوس اور اس کے لیے وسائل پیداوار و ذرائع آمدن پر انھی مخصوص ہاتھوں کی گرفت کو مضبوط تر کرنے کی گھٹیا کوششوں نے اس وقت دنیا کو معاشرتی تباہی کے دہانے پر لاکھڑا کیا ہے، جس کی وجہ سے لگتا ہے کہ پوری انسانیت کی معاشی قسمت اور رزق صرف چند زر پرستوں کے ہاتھ میں یرغمال بن کر رہ گیا ہے۔

عالمی معاشی نظام میں پیداوار کا سب سے اہم اور بنیادی عنصر سرمایہ ہے۔ سرمائے کی افزائش و ارتکاز، سرمایہ اور سرمایہ کاری، سود پر مبنی نظام پیداوار و تقسیم آمدنی، سود کے ذریعے ہی تمام مالیاتی سرگرمیوں کی وسعت، زر سے زر کی تجارت اور اس کے نتیجے میں سرمایہ داروں کے پاس دنیا بھر سے دولت وثروت کا کنٹرول ہے۔ یہ معاشی گرفت موجودہ معاشی عدم توازن اور بڑھتی ہوئی غربت کی بنیادی وجہ ہے۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں دنیا کی امیر اور غریب آبادی کے درمیان اوسط آمدنی کا فرق آج کے دور کے مقابلے میں بہت کم ہوا کرتا تھا، جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں تمام اشیائے خورونوش اور آرائش وآسائش کی پیداوار صرف قدرتی ذرائع اور انسانی محنت پر منحصر تھی اور پیداواری عمل میں سرمایہ کی حصّہ داری نہ ہونے کے برابر ہوا کرتی تھی۔ بیش تر صنعت وحرفت نیز پیداوای عمل کا دارومدار صرف قدرتی ذرائع مثلاً زراعت، انسانی ہنرمندی، مویشی پروری اور چند معدنیات کی کاریگری پر تھا جس میں مختلف انسانوں یا گروہوں کے درمیان آمدنی کا فرق صرف انسانی محنت اور قدرتی ذرائع پیداوار کے فرق اور استعمال کی بنیاد پر تھا۔

صنعتی انقلاب کے بعد جب ذرائع پیداوار کا انحصار انسانی ہاتھوں اور مویشیوں کے بجائے جدید آلات اور مشینوں پر ہوگیا، اسی وقت سے 'سرمایہ' پیداوار کے نہ صرف اہم بلکہ اہم ترین وسیلہ

کے طور پر منظر عام پر آیا، اور اسی کے بعد سے پیداوار کے ساتھ ساتھ تمام تر ذرائع پیداوار پر بھی چند مخصوص لوگوں (سرمایہ داروں) کا قبضہ ہوتا چلا گیا۔ اسی سرمایہ کے ذریعے زیادہ سے زیادہ پیداوار اور منافع کے لیے ارتکازِ سرمائے کی تگ و دو نے سودی نظام مالیات پر مبنی بنکوں کا جال پوری دنیا میں پھیلا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سودی سرمائے کی آسان تر دستیابی نے سرمایہ دارانہ پیداواری نظام کو آسان اور کثیر پیداوار کے لیے ایک متبادل کے طور پر پوری دنیا میں رائج کر دیا۔ جس کے نتیجے میں سرمایہ دار اور مالکانِ تجارت کے پاس پیداوار، آمدنی اور دولت کا ارتکاز ہونا شروع ہو گیا۔ امیر و غریب ممالک کی فی کس آمدنی کا فرق جو صنعتی انقلاب کے ابتدائی دور ۱۸۲۰ء میں صرف پانچ اور ایک (۵:۱) کا ہوا کرتا تھا، وہ بڑھتے بڑھتے چھیاسی اور ایک (۸۶:۱) کا ہو گیا[۷]، اور موجودہ وقت میں تو اس تفاوت کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ امیر و غریب کے بیچ کی یہ خلیج لگاتار وسیع تر ہوتی جارہی ہے۔ عالمی ماہرین شماریات، اعداد و شمار کے اَن گنت حوالے دیتے ہیں کہ اس وقت عالمی دولت کا ۵۷ فی صد حصّہ صرف ایک فی صد امیر ترین لوگوں کے قبضے میں ہے، یا فلاں ملک کے چند امیر ترین لوگوں کے پاس پوری دنیا کی دولت کا ۵۰ یا ۶۰ فی صد حصّہ ہے۔ اسی سے ملتے جلتے حقائق ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔

ان اعداد و شمار کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ سودی مالیاتی نظام نے ہماری روز مرہ کی ضروریات اور اشیا کی پیداوار میں کتنا اہم مقام حاصل کر لیا ہے، کیونکہ یہ ساری پیداوار، آمدنی اور اس میں سال در سال مضروبی اضافہ صرف اور صرف سرمائے کے ارتکاز اور سودی نظام مالیات کے ذریعے ہی ممکن ہو سکا ہے، جو دولت مند کو مزید دولت بٹورنے کے لیے حوصلہ افزا ماحول مہیا کرتا ہے اور غریبوں کی غربت میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ پیداوار کے روایتی وسائل، زراعت و باغبانی، پیشہ ور ہنرمند افراد اور چھوٹی موٹی صنعتوں کی ملکی آمدنی و پیداوار میں حصّہ داری مسلسل کم ہورہی ہے یا یہ ذرائع ہی بازار سے دھیرے دھیرے منظر سے غائب ہوتے جارہے ہیں۔ ان کی جگہ بڑی اور کثیر قومی کمپنیوں کی اجارہ داری قائم ہوتی جارہی ہے، جو اپنے کثیر سرمائے اور تکنیک کے بل پر وسائل، پیداوار اور بازار کے بڑے حصّے پر قابض ہو جاتی ہیں اور بلا کسی مقابلہ یا مسابقت بازار میں قیمت، حصّہ داری اور من چاہے منافع کا تعین اَز خود کرتی ہیں۔

حیاتیاتی سائنس دانوں کا ماننا ہے کہ عام انسانوں کی ذہنی استعداد اور جسمانی صلاحیت میں زیادہ سے زیادہ ایک اور تین کا فرق ہوسکتا ہے[۸]۔ لیکن ان کی دولت اور آمدنی کا فرق سوگنا اور ہزار گنا سے بھی زیادہ ہے۔ آمدنی کا یہ فرق صلاحیت اور استعداد کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے ذرائع پیداوار کی جائز آمدنی ہڑپ کرنے اور سرمایہ کے علاوہ مزدور اور دیگر وسائلِ پیداوار کو ان کی شمولیت کے بقدر حصّہ نہ دینے کی وجہ سے ہے۔ اسی ارتکازِ دولت کی وجہ سے پوری دنیا میں غریب اور افلاس زدہ افراد کی تعداد لگاتار بڑھتی جارہی ہے۔ غذائی اجناس اور دیگر ضروریات زندگی وافر مقدار میں موجود ہونے کے باوجود وہ عوام کی پہنچ سے لگاتار دور ہوتی جارہی ہیں۔

اس وقت پوری دنیا کی معیشت بشمول تمام مسلم ممالک، اسی سودی نظامِ مالیات اور سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کے جال میں جکڑی ہوئی ہے۔ دُنیا کے وسیع تر ذرائع ابلاغ پر انھی سرمایہ داروں کا قبضہ ہے، جو لگاتار موجودہ استعماری و استبدادی نظام سیاست ومعیشت کو عوام کے لیے مفید تر ثابت کرنے میں دن رات ایک کیے دے رہے ہیں، جب کہ اس نظام کے تحت بڑھتی ہوئی غربت اور ارتکازِ وسائل و دولت کے خلاف بلند ہونے والی آواز بہت کمزور اور سست ہے۔

سودی نظام مالیات اور عالمی معاشی عدم استحکام

سودی نظام مالیات اور سرمایہ دارانہ معیشت ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں اور اس گٹھ جوڑ پر مبنی معاشی نظام نے جس غیر متناسب قیمت اور لامحدود منافع خوری کی بنیاد پر موجودہ عالمی نظامِ معیشت کو کھڑا کیا ہے، وہ ابتدا ہی سے بنیادی طور پر عوامی مصالح کے لیے نامعقول وغیر مقبول، کمزور طبقات کے معاشی وسماجی استحصال کا وسیلہ اور معاشرے کی اخلاقی اقدار کے منافی مانا جاتا رہا ہے۔

ایک زمانے میں سودخور ساہوکار کے ظلم اور استحصال کو بیان کرتی کہانیاں ہر قوم اور زبان کے ادب کا حصّہ ہوا کرتی تھیں۔ معاشرے میں سود پر مبنی قرض کو ہمیشہ ظلم اور ذلت کے تناظر میں دیکھا جاتا رہا ہے اور اسے بُرا کہنے اور برا سمجھنے والے ہر زمانے، قوم اور مذہب میں موجود رہے ہیں۔ مگر اب اس بات کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے۔ ان معاشرتی خرابیوں کے علی الرغم معاشی ترقی، صنعتی انقلاب، پیداوار کی کثرت، لامحدود منافع خوری اور وسائل پیداوار و آمدنی پر قبضے کی ہوس نے ایک ایسے صنعتی معاشرے کو جنم دیا ہے، جس نے ہر تجارتی، کاروباری اور

معاشی سرگرمی کو سود سے منسلک کر دیا ہے اور اس میں سود اور اس کی بنیاد پر جاری ہر طرح کی معاشی سرگرمی کے پھلنے پھولنے کے وافر اسباب مہیا کیے ہیں، جس کے نتیجے میں ساہوکاروں اور صنعت کاروں کا ایک چھوٹا لیکن با اثر طبقہ اس استحصالی نظام کی موافقت میں اور اسے انسانی معاشرے کے لیے مفید تر ثابت کرنے کے لیے ایک سازگار ماحول تیار کرنے میں ہمیشہ لگا رہا ہے۔

سرمایہ داروں کا یہ مخصوص طبقہ اپنے تخلیق کردہ معاشی نظام کو کامیاب بنانے کے لیے پوری دنیا میں سرگرمِ عمل ہے اور بظاہر اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہے، حالانکہ اس پورے مالی و معاشی نظام نے جہاں دنیا میں صرف چند مخصوص لوگوں کی تجوریوں میں مال و دولت کے انبار لگا دیے ہیں، وہیں اس نظام نے عالمی غربت و افلاس میں بھی بے پناہ اضافہ کیا ہے۔ آمدنی کی غیر متناسب تقسیم اور دولت کے عمودی ارتکاز کی وجہ سے اس نظام کی دیواریں لگاتار متزلزل ہوتی جارہی ہیں جسے بار بار بیرونی سہاروں اور حکومتی امداد کے بل پر کھڑا کیا جاتا رہا ہے۔

دیکھا جائے تو سود اور سودی قرضوں کی ابتدا انسانی تمدن میں بہت پہلے شروع ہوگئی تھی۔ اسی لیے سودی لین دین کو دنیا کے قدیم ترین پیشے میں شمار کیا جاتا ہے، اگرچہ ہر زمانے کی مذہبی تعلیمات میں اس کی پُرزور نفی اور اس سے پنپنے والی سماجی و اخلاقی خرابیوں کا ذکر بھی تواتر کے ساتھ موجود ہے، لیکن اس کے باوجود یہ کاروبار لگاتار پھلتا پھولتا رہا ہے۔ روایتی طور پر سود کا کاروبار معاشرے میں انفرادی بنیاد پر ہی رائج تھا، جس میں ساہوکار ہر قرض خواہ کے ساتھ اس کی ضرورت اور قرض واپسی کے امکانات کے مطابق الگ الگ معاہدہ اور معاملات طے کرتا تھا۔

بنکوں، بیمہ کمپنیوں اور دیگر مالیاتی اداروں پر مشتمل ایک مربوط سودی مالیاتی نظام، جو ایک طرف عوام کو لگاتار زیادہ سے زیادہ پیسے بچانے کی ترغیب دیتا ہے، بنکوں اور بیمہ کمپنیوں کے ذریعے اسی بچت کو متحرک کرکے سرمایے میں بدلتا ہے اور پھر وہی سرمایہ عوام کو آسان اور اجتماعی قرض کی سہولت کے نام سے اونچی شرح سود پر لینے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ یوں سود کے لالچ میں زیادہ سے زیادہ پیسہ بچا کر بنک میں رکھنے اور پھر اپنی ہی ضروریات کے لیے سود پر اسی بنک سے قرض لینے کا ایک ایسا 'شیطانی چکر' وجود میں آتا ہے، جو انسانی ضرورت اور معاشی حرکت کو صرف سود اور شرح سود سے منسلک کر دیتا ہے۔ وہی شرح سود معاشرے میں ہر معاشی فیصلے کی بنیاد قرار پاتی

ہے۔سود کی بنیاد پر ماہانہ خرچ کا تعین، اسی پر منافع کا تعین، تجارت کے لین دین اور تاجرانہ وصولی کا نظام الاوقات بھی شرح سود کی بنیاد پر طے ہوتا ہے۔ گویا کہ اس وقت تجارت و معیشت کی دنیا بالواسطہ یا بلاواسطہ سود اور شرح سود کے ہی اردگرد گھوم رہی ہے اور ہر انسان جانے انجانے اس نظام سے متاثر ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے ارتقا میں بڑے پیمانے پر سودی بنکوں کا فروغ اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں یورپ میں شروع ہوا جس میں بڑی صنعتوں و پیداواری مراکز کے لیے کثیر مقدار میں سرمایے کی فراہمی طے شدہ شرح سود پر انھی تجارتی بنکوں کے ذریعے ممکن ہوسکی۔ اب حالت یہ ہے کہ موجودہ وقت میں ہر طرح کی معاشی حرکت بشمول پیداواری لاگت، منافع اور بازاری قیمت کا تعین، صارف کی قوت خرید، بازار میں زر، اشیا و خدمات کی رسد، نئی معاشی سرگرمیاں اور اس کے ممکنہ امکانات، زر کی قیمت کا تعین (Time value of money)، غرض یہ کہ ہر ایک معاشی سرگرمی اور فیصلے کا انحصار شرح سود اور اس کی ممکنہ شرح تبدیلی پر ہی منحصر ہے۔سود کی بنیاد پر پیداواری لاگت اور ممکنہ منافع کی شرح طے کی جاتی ہے۔اسی کی بنیاد پر بازار حصص میں اُتار چڑھاؤ دیکھنے میں آتا ہے۔کسی بھی صنعتی تیاری یا تجارتی سرمایہ کاری میں فیصلے کا دارومدار یا مستقبل کے استحکام یا غیر مستحکم ہونا بھی شرح سود کے استحکام پر ہی منحصر ہے۔

سرمایہ داری نظام کی تشکیل اور مراحل

معاشیات میں سرمایہ دارانہ نظریات اور اس کے بنیادی خدوخال کو ایک اجتماعی نظام کی شکل دینے کی ابتدا ایڈم اسمتھ (Adam Smith) اور اس کے معاونین و معتقدین کی حکومت کی معاشی سرگرمیوں میں عدم مداخلت کے فلسفے کے تحت ہوئی[9]۔جس کا بنیادی نظریہ ہے کہ پیداوار، منافع، قیمتوں کا تعین اور وسائل پیداوار کو ملنے والی اُجرت کا تعین بغیر کسی سرکاری مداخلت کے سرمایہ دار، صنعت کار اور تاجر بازار کی طلب و رسد اور ذاتی مفادات کی بنیاد پر خود کریں گے۔ یوں ایک لامحدود منافع خوری اور مزدوروں و دیگر وسائل پیداوار کی اُجرت کی غیر عادلانہ اور غیر منصفانہ تقسیم کی بندربانٹ صنعت کار اور سرمایہ دار کے درمیان شروع ہوگئی، جس کی من مانی حدود کا تعین خود کرنے کے لیے بہت خوب صورتی سے حکومت کو اس معاشی نظام سے باہر کر دیا گیا۔

سرمایہ دارانہ نظام کی وسعت وعوامی مقبولیت کا جواز بھی اسی غیر اخلاقی نظریے پر ہے کہ ہر معاشی سرگرمی کا انحصار ذاتی مفاد، منافع اور سود پر ہے، جس میں کسی اخلاقی وغیر اخلاقی جواز یا عدم جواز اور کسی اجتماعی، انفرادی یا سماجی نقصان اور فائدے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ایڈم اسمتھ کے بعد دوسرے ماہرین معاشیات نے بھی حکومتی عدم مداخلت کے اس نظریے کی حمایت اور پورے پیداواری و معاشی نظام کو معاشرتی اخلاقیات کی حدود سے باہر رکھنے کی پُرزور وکالت کی، تاکہ لامحدود منافع خوری اور سودی سرمائے کو بلا کسی سرکاری یا اخلاقی قدغن کے مزید استحکام حاصل ہوسکے۔

معاشی سرگرمیوں میں حکومت کی ضروری مداخلت اور پورے نظام کے لیے حکومت کی نگرانی کی وکالت ۱۹۳۰ء کی عظیم معاشی کساد بازاری اور روزگار و پیداوار میں لامتناہی گراوٹ کے بعد جے ایم کینز (JM Keynes) نے کی، اور ۱۹۳۶ء میں Generals Theory of Employment Interest and Money میں واضح کیا کہ سرمایہ دارانہ نظام کے اندر بھی معاشی نظام پیداوار و روزگار کو مستحکم رکھنے، بنکوں و دیگر مالیاتی اداروں کے ذریعے معیشت میں زر کی غیر ضروری رسد کو روکنے اور اسے اپنی معینہ حدود میں رکھنے، نیز صنعت وحرفت، پیداوار اور اشیا و خدمات کو معاشرے کے ہر فرد تک منصفانہ طریقے سے پہنچانے کے لیے معاشی سرگرمیوں میں حکومت کی مداخلت و متناسب شمولیت از بس ضروری ہے۔ اسی کے ساتھ حکومت کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ ٹیکس اور سرکاری واجبات کے ذریعے معیشت میں عدم توازن کو ممکنہ حد تک قابو میں رکھے۔

لیکن ساری احتیاط اور قانون سازی کے باوجود پوری دنیا کی معیشت پر افراط زر کا غیر معمولی دباؤ، معیشت میں پیداواری تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے زر کی بڑھتی ہوئی رسد، غربت و بے روزگاری میں اضافہ اور عمومی معاشی عدم استحکام ایک عام معاشی وبا کی شکل میں جاری ہے، جسے قابو کرنے کے لیے حکومتیں بار بار شرح سود میں تبدیلی کے ذریعے زر کی طلب و رسد میں استحکام لانے کی کوشش کرتی ہیں لیکن معاشی عدم استحکام کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتا ہے۔

اس طرح سرمایہ دارانہ نظام اپنی ابتدا ہی سے لگاتار زر کی غیر ضروری رسد سے پیدا شدہ اندرونی دباؤ اور اسے قابو کرنے اور معیشت کو پٹری پر رکھنے کے لیے ضروری قرضوں، امداد اور سرکاری مداخلت کے سہارے ہی چل رہا ہے۔ اس کے باوجود ہر ۱۰، ۲۰ سال کے بعد پوری دنیا

میں ایک معاشی بھونچال آ جاتا ہے جس میں عوام کی کمائی کے اربوں کھربوں روپے بازار حصص کے اُتار چڑھاؤ کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ اس کے بعد اس نظام کی حامل حکومتیں اور بین الاقوامی ادارے مصنوعی کرنسی، بیل آؤٹ پیکج، سہل قرضہ جات کی شکل میں مراعات و دیگر ذرائع سے معیشت میں زر کی رسد بڑھا کر اسے سہارا دینے کے لیے میدان میں آجاتے ہیں۔

جب سے کثیر سرمائے اور سود کی بنیاد پر بڑی تجارتی سرگرمیاں شروع ہوئیں، نیز ان کے فروغ کے لیے تجارتی بنک، اسٹاک ایکسچینج، رہن بازار (Mortgage Market) یا تمسکات بازار (Bond Market) جیسی مختلف سودی تجارتی اقسام و گنجلک اصطلاحات، ان کے لیے آسان شرائط پر سودی قرضوں کی حوصلہ افزائی اور عوام کی قوت خرید کو بڑھانے کے لیے معیشت میں زر کی رسد بڑھانے کی کوششیں شروع ہوئی ہیں، معاشی اتھل پتھل، پیداوار کی تقسیم میں عدم توازن، دولت وثروت کا چند مخصوص افراد کے درمیان غیر معمولی ارتکاز اور اس کے نتیجے میں غیر معمولی سماجی ومعاشی عدم توازن اور عدم استحکام پوری دنیا میں لگاتار بڑھتا جارہا ہے۔ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ نے ان مسائل کی بنیادی وجوہ اور اس موضوع پر مثبت بحث سے ہمیشہ گریز کیا ہے، جب کہ معاشی کساد بازاری، بازار کا عدم استحکام اور عدم توازن عالمی پیمانے پر وقفہ وقفہ سے لگاتار جاری ہے۔

جنگ عظیم دوم سے پہلے ۱۹۳۰ء کے عشرے کی عالمی معاشی گراوٹ، اس کے بعد جنگ عظیم کی تباہ کاریاں، ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کی مشہور زمانہ معاشی کساد بازاری، افراط زر کے ساتھ بے روزگاری کی اُونچی شرح جسے Stagflation کے نام سے جانا جاتا ہے، جس کی بنیادی وجہ تو عرب اور اوپیک ممالک کا معدنی تیل کی رسد پر روک تھی، لیکن اس کی وجہ سے مالیات اور معیشت میں گراوٹ پوری دنیا میں محسوس کی گئی اور اس نے پوری ترقی یافتہ دنیا بشمول امریکا، لاطینی امریکا اور برطانیہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

۱۹۸۰ء کے عشرے میں اشتراکیت اور اشتراکی نظام معیشت کا زوال، ۱۹۹۰ء سے عالم گیریت اور نجکاری کی تحریکیں، جس کے ذریعے ترقی پذیر ممالک پر کثیر قومی کمپنیوں کی اجارہ داری کو یقینی بنانا، اور پھر ۲۰۰۸ء میں امریکا کے کچھ بڑے بنکوں کا دیوالیہ ہوجانا، وغیرہ ان سب معاشی تیزی، سستی، مندی اور زوال کی بنیادی وجہ یہی سرمایہ دارانہ نظام اور اس کے جارحانہ پھیلاؤ کی منصوبہ بندی رہی ہے۔ بنکوں کے ذریعے معیشت میں قرضوں کا غیر ضروری وغیر متناسب پھیلاؤ، منافع بڑھانے اور عوام کو

سودی قرضوں کی رغبت دلانے والی اسکیمیں اور نتیجے میں زر کی رسد کے غیر معمولی طور پر بڑھ جانے سے افراط زر اور معاشی سستی و عدم استحکام کے ذریعے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر دونوں طرح کی معیشتوں میں قرض، سود اور افراط زر کا یہ کھیل وقفہ وقفہ سے جاری ہے۔

غیر سودی نظام مالیات: ایک قابل عمل متبادل

اشتراکی نظام معیشت کے زمیں دوز ہو جانے کے بعد عالم گیریت، نجکاری اور آزادانہ معیشت کے فروغ کے نام پر سرمایہ دارانہ نظام پوری قوت کے ساتھ دنیا پر مسلط ہے، جس کے ذریعے دنیا کی نامور کمپنیوں اور تجارتی اداروں نے کثیر سرمایے اور جدید ٹکنالوجی کی بدولت ترقی پذیر ممالک میں پیداوار اور مالیات کے شعبے میں اپنے قدم جمالیے۔ پوری دنیا میں یک قطبی سرمایہ دارانہ نظام کی وسعت اور اسے دنیا کے غریب اور معاشی طور پر کمزور ممالک میں جبری نفاذ کو یقینی بنانے میں بین الاقوامی اداروں خاص کر عالمی بنک (WB)، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF) اور عالمی تجارت تنظیم (WTO) نے بھرپور کوشش کی تاکہ پس ماندہ اور ترقی پذیر ممالک کے وسیع بازار کو کثیر قومی کمپنیوں اور مالیاتی اداروں کے لیے بغیر کسی داخلی یا خارجی رکاوٹ کے کھول دیا جائے۔

اس وقت سرمایہ دارانہ نظام معیشت کو چیلنج کرنے اور کوئی دوسرا مستحکم و متبادل نظام معیشت پیش کرنے سے دنیا عاجز نظر آرہی ہے۔ اگرچہ اس نظام نے پوری دنیا کی دولت کو چند مخصوص لوگوں کی جھولی میں ڈال کر دنیا کی کثیر آبادی کو غربت و افلاس کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے اور ارتکازِ دولت و سرمایہ کا یہ سلسلہ لگاتار جاری ہے۔ اس نظام میں جتنی سہولت سے وافر مقدار میں پیداواری سرمایہ مہیا ہو جاتا ہے، اتنی ہی تیزی سے عوام کی آمدنی اور دولت بھی سرمایہ دار کی جھولی میں گرتی چلی جاتی ہے اور عوامی غربت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

سب سے زیادہ مستحکم اور تقسیم دولت کے لحاظ سے ایک منصفانہ نظام معیشت اسی وقت ممکن ہے، جب شرح سود کو صفر کر دیا جائے، لیکن سود کے ذریعے اربوں کھربوں کا سرمایہ اکٹھا کرنے والے سرمایہ دار، بنک اور صنعت کار جنھوں نے اس پورے معاشی نظام کو یرغمال بنا کر رکھا ہوا ہے، اس کے لیے کبھی تیار نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کی ساری دولت کا انحصار سود اور سودی نظام مالیات پر ہے۔ دنیا کی بیش تر آبادی اسی نظام کی وجہ سے معاشی و مالیاتی استحصال کا شکار ہے لیکن ستم ظریفی

یہ ہے کہ متبادل پیش کرنے اور اسے بطور نظام اپنانے کو ایک پس وپیش برقرار ہے۔

آج کی دنیا نے اب تک معاشیات اور تقسیمِ دولت و پیداوار کے نظام کے نام پر ایک دوسرے کے متضاد دو نظامہائے معیشت کا تجربہ کیا ہے اور دونوں ہی نظام دنیا کی معاشی بدحالی کو ختم کرنے اور دولت و پیداوار کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنانے میں یکسر ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کے استحصالی خدوخال، طبقاتی تصادم (طبقاتی جدوجہد) اور دولت کے ناگزیر ارتکاز کی وجہ سے یہ نظام لگاتار نسل انسانی کے لیے بوجھ ہی ثابت ہوا ہے۔

اس کے متبادل کے طور پر کارل مارکس کے اشتراکی نظریات پر مبنی ایک نیا نظام معیشت بیسویں صدی کے اوائل میں اشتراکی روس اور کچھ عرصے بعد اس کے ہمنوا مشرقی یورپ اور کچھ دیگر ممالک کے اندر نافذ کیا گیا، جس نے پورے معاشی و سماجی نظام سے انفرادی ملکیت، وراثت اور جائیداد کے حقوق اور فیصلوں میں شخصی آزادی کے تصور کو ختم کر دیا۔ سارے وسائل، پیداوار اور دولت کو سرکاری ملکیت میں سونپ کر ایک اجتماعی منصفانہ نظام برپا کرنے کی ناکام کوشش کی۔ لیکن اس جبری اور غیرفطری نظام کی اندرونی کمزوریوں کے ساتھ نظریۂ اشتراکیت وسرمایہ دارانہ نظام کی باہمی چپقلش ومنافرت کے سبب یہ نظام اپنی ابتدا کے محض ستّر سال کے اندر سوویت روس کے بکھرنے کے ساتھ ہی زمیں بوس ہو گیا، اور دنیا کی معیشت دوبارہ، پہلے سے بڑھ کر ظالم سرمایہ دارانہ نظام کے چنگل میں جکڑی گئی۔

دُنیا نظامِ سرمایہ کے متبادل کے طور پر صرف اسلام کے نظام معیشت و مالیات کی طرف پُرامید نظروں سے دیکھ رہی ہے کہ موجودہ سودی نظام میں وسائل پیداوار کا یک رُخا بہاؤ اور دولت کے غیر متناسب ارتکاز کا واحد متبادل حل صرف ایک غیرسودی نظام معیشت میں ہی ممکن ہے۔ اسلام میں سود کی حُرمت کی معقولیت کا جواز اور سود کا معاشرے پر پڑنے والے اثراتِ بد کا جتنا واضح ثبوت اس وقت دنیا دیکھ رہی ہے، ماضی میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ سودی نظام کی وجہ سے انفرادی و اجتماعی سطح پر معاشرتی ظلم و استحصال جتنا واضح، اور حقیقی موجودہ دور میں لگ رہا ہے، اس کی حقیقت پچھلے زمانوں میں شاید اتنے کھلے طور پر لوگوں کے سامنے نہ آئی ہو۔ موجودہ دور میں اسلامی معاشیات کے عملی پہلو کے بجائے زیادہ تر کام صرف نظریاتی سطح کا ہی ہو رہا ہے۔

ہمارے محققین نے قدیم وجدید فقہا کے معاشیاتی نظریات وتحقیقات کو منظر عام پر لانے کا کام کیا ہے، جب کہ جدید معاشی مسائل کو جواز کی حد تک اسلامی نظریات کے تابع ہی قبول کیا ہے۔

اسلامی معاشیات ایک مکمل ضابطہ ہے اور اسے مکمل نظام کے طور پر ہی نافذ کیا جا سکتا ہے۔اس وقت اسلامی معاشیات کے نام پر جس طرح جدید مالیاتی نظام کا ایک متبادل اسلامی نام کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش ہورہی ہے، وہ ایک مکمل اسلامی ضابطے کے بغیر نافذالعمل نہیں ہوسکتی۔ اسلامی بنکنگ، اسلامی انشورنس، اسلامی بانڈز، بازارحصص اور اسٹاک ایکسچینج جیسے جدید معاشی اور مالی معاملات جوسود کے ساتھ جوئے اور سٹے کے غالب عوامل پر مشتمل ہوتے ہیں، جن کی گنجایش اسلام میں مشکل سے ہی نکل سکتی ہے،اور یہ سارے عوامل اسلام کے مکمل ضابطے کے بجائے صرف ایک متبادل کے طور پر نافذ العمل ہیں، جن کا منبع اور ماخذ جدید سودی بنکاری نظام ہی ہے۔

سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے اندر مجموعی معاشی مدوجزر تواتر کے ساتھ آتے ہیں جو کہ پورے نظام معیشت کے لیے ایک ناپائیداری، قیمتوں کے غیر یقینی اتار چڑھاؤ اور شرح منافع میں غیر متوقع کمی کا سبب بنتے ہیں۔ معاشی ناپائیداری سے نجات کے لیے غیرسودی نظام مالیات ہی سب سے بہترین حل ہے، جس میں پیداوار کے وہ عوامل منظر سے غائب ہوجاتے ہیں، جن کی پیداوار کے عمل میں راست حصّہ داری نہیں ہوتی۔ اسلامی نظام معیشت درحقیقت غیرسودی بنکاری سے بہت اوپر کی چیز ہے جس کے لیے اسلامی ممالک اور تجارتی اداروں کو غیرممالک اور بین الاقوامی اداروں سے تمام تجارتی اور غیرتجارتی لین دین بھی اپنی شرائط اور سود و جوئے کے بغیر کرنا ہوگا، جس کے لیے یہ ممالک ابھی ذہنی اور عملی سطح پر تیار نہیں ہیں۔ (مکمل)

حوالہ جات

7. OECD(2021) *How Was Life?* Vol.II, New Perspectives on Well being and Global Inequality since 1820, OECD Publishing, Paris, www.oecd-library.org sites

8. PA Samuelson and WD Nordhaus, (1989) *Capital nterest and Profit in Economics*, McGraw Hill international, 13th ed, pp 717-720.

9 Adam Smith (1776). *An nquiry into the Nature and Causes of Wealth of Nations*, Vol I(1 ed) London: W. Strahan, Retrieved 7 December 2012, Vol II, Via Google Books.